تشکیل جدید کا تنقیدی جائزہ

احمد رضا خان

قرآن پاک کا ارشاد ہے:

ماخلقکم ولا بعثکم الا کنفس واحدۃ(31:28)

اس آیت کا اشارہ جس حیاتی وحدت کی طرف ہے' اگر آج اسے تجربے میں لایا جائے تو کسی ایسے منہاج کی ضرورت ہو گی جو عضویاتی اعتبار سے تو زیادہ سخت یعنی شدید بدنی ریاضت کا طالب نہ ہو' مگر نفسیاتی اعتبار سے اس ذہن کے قریب تر جو گویا محسوس کا خوگر ہو چکا ہے تاکہ وہ اسے باآسانی قبول کرلے۔ لیکن پھر جب تک ایسا کوئی منہاج منشکل نہیں ہو جاتا' یہ مطالبہ کیسا غلط ہے کہ مذہب کی بدولت ہمیں جس قسم کا علم حاصل ہوتا ہے اسے' سائنس کی زبان میں سمجھا جائے...." الخ (اقبال: دیباچہ: تشکیل جدید الہیات اسلامیہ صفحہ 39-40)

تشکیل جدید کا (Discourseanalysis) ہمارے سامنے کثیرالمطالب فکری Texture پیش کرتا ہے۔ "تشکیل جدید" کی Textual construction میں علامہ اقبالؒ ایک کثیر الجہتی نظری حدود کے خد و خال قاری کے سامنے لے آتے ہیں جو فلسفہ، نفسیات، طبیعیات، فلسفہ ء تاریخ اور عمرانیات علم و ثقافت کی فکری boundaries کو ایک دوسرے میں Diffuse کرتی ہوئی نظر آتی ہے۔ نتیجتہ" ایک بوقلموں Discourse فکر و احساس کو گرفت میں لے لیتا ہے۔ یہ ایک زندہ رود فکر ہے جس میں اقبالؒ ہر ذی شعور مسلمان کو ورطہ ء حیرت میں ڈال دینا چاہتے ہیں۔

'تشکیل جدید' کو انیسویں صدی کے نصف آخر اور بیسویں صدی کے نصف اول کی مخصوص مسلم صورت حال کے تاریخی تناظر سے الگ کر کے پرکھا نہیں جا سکتا۔ اس زمانے کی ایک عمرانیات علم بنتی ہے جس کی تین نمایاں خصوصیات ہیں:-

(i) مغربی استعماریت سے پیدا شدہ ثقافتی و سیاسی بحران

(ii) سرسید احمد خان کی اسلامی فکر و ثقافت کے بارے میں ایک West-Oriented فطرپاتی تعبیر کا آغاز جس کا اظہار، تعلیم، فکر اور ثقافت میں استعمار پسندی کے رجحان کی نمود کی صورت میں نظر آتا ہے۔ اس Naturalistic فکر کا نمایاں اظہار اس کلیے میں ہوا کہ دین اور ثقافت اسلامیہ کو مغربی اور بالخصوص انگریزی modes of thought کے حوالے سے نئی نئی تعبیریں دی گئیں جو مغرب زدہ اور معذرت خواہانہ طرز فکر کی غماض ہیں۔

(iii) مغربی طرز فکر کی تہ میں کام کرنے والی Epistemological Assumptions مخصوص ثقافتی تناظر سے درجہ ء استناد حاصل کرتی ہیں۔ استعماریت اور نوآبادیات کے سیاسی عمل نے مغربی اصول و طرائق کو ایک سیاسی تناظر میں ایک برتر ثقافتی جواز عطا کر دیا، خصوصاً" مفتوحہ (یا بہتر طور پر غلام ثقافت) کے مغرب زدہ طبقے کی فکری و تعلیمی ساخت میں نمایاں طور پر یہ انداز جھلکتا نظر آتا ہے۔

جن اسلامی تصورات پر اقبالؒ مغربی سائنس اور فلسفیانہ منطق کے رو سے "تشکیل جدید" میں نظر ڈالتے ہیں، درحقیقت ان کے اپنے علمیاتی مفروضے ہیں، چنانچہ مغربی سائنس اور فلسفیانہ منطق کی اندرونی حرکیات کو پورا کرنے کے لیے اقبالؒ کئی مقامات پر ایسی تعبیروں میں الجھ جاتے ہیں

جو اسلامی طرز فکر کے معیارات کے آگے عجیب نظر آتی ہیں۔ اس لیے "تشکیل جدید" مغرب زدہ مسلمان ذہن و فکر کو موثر انداز پر مغربی طرز فکر (Modes of thought) اور Diction میں ثقافتی (جواز) عطا کرتی ہوئی نظر آتی ہے۔ بنابریں اس کے دعاوی اور معنویت کو نوآبادیات کے سیاسی تسلط (Domination) اور اس کی پروردہ فکری ثقافت سے الگ کر کے نہیں دیکھا جا سکتا۔ تشکیل جدید نوآبادیاتی دور کی مغرب زدہ مسلم ذہنیت کا فکری رد عمل ہے۔

اب دیکھیے فلسفیانہ طریق (Method) کو اقبالؒ کس طرح استعمال کرتے ہیں: درج ذیل بیان کو پڑھیے' کیا مستند اسلامی علماء اس طرز پر گفتگو کر سکتے ہیں۔ اور اس سے کیسی بڑی فکری مغالطہ سازی ہو سکتی ہے!

"اب جہاں تک اسلام کا تعلق ہے' ہم کہہ سکتے ہیں کہ اس کی عقلی اساسیات کی جستجو کا آغاز آنحضرت ﷺ کی ذات مبارکہ ہی سے ہو گیا تھا...."

اس بیان کا پہلا سادہ تاثر (Effect) قاری پر (نعوذ باللہ) یہ ہوتا ہے کہ نبی اکرمؐ کسی (Natural Philosophy) کے بانی تھے جس کے اصولوں نے ان کے ذاتی نظرات سے مدون صورت اختیار کی ہے' حالانکہ معاملہ اس کے بالکل برعکس ہے۔ جس دعا کے فقروں کو اقبالؒ اپنے فلسفیانہ طریق (Method) کی صحت کے ثبوت کے طور پر لاتے یا تعبیر کرتے ہیں' وہ ایک فلسفیانہ بیان نہیں ہے اور نہ ہی کسی فلسفیانہ اور عقلی نظام کی جستجو کا نکتہ ء آغاز---- بلکہ معاملہ اس سے مختلف ہے۔ حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم جس "علم حقیقت الاشیاء" کی دعا فرما رہے ہیں' اس کی معنویت اور جواز کو ان کے علو نبوت اور شان رسالت کے تناظر میں دیکھا جائے۔ درحقیقت یہ دعا یا بیان خالق کون و مکان سے ان کے مخصوص تعلق کا مظہر ہے۔ یہ دعا ایقان وحی سے پھوٹتی ہے نہ کہ کسی فلسفیانہ نظام میں کسی ذہنی کاوش کا نظری اظہار۔ ہاں اگر اقبالؒ دیکارت کے بیان Cogitoergosum' کو عقلی اساسیات کی جستجو' ابتدا یا بنیاد یا نمونہ قرار دیتے' تو ان کے طریق کی معنویت سمجھ میں آتی۔ پیغمبر اکمل و آخر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی روحانی و بشری حقیقت کا ادراک آپ اور ہم کس طرح ایک فلسفیانہ طریق پر کر سکتے ہیں' جو عقل جزئی اور حس جزئی کو ذریعہ ء علم کے طور پر قابل اعتماد ٹھہراتا ہے۔ اسلامی روایت (Poradigm) میں حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ایک دوٹوک اور واضح عقائدی حیثیت ہے جس کی الوہی بنیادیں ہیں' جن کو قبول کرنے کے بعد ہی ان کی ذات اقدسؐ حیطہ ء ادراک یا زاویہ ء نگاہ میں سما سکتی ہے۔ حضورؐ کے اقوال' اعمال' افعال' اشارے' علائم' کنائے' حتیٰ کہ ہر جنبش ایک الوہی مختار (Authority) سے سرزد ہوتی ہیں۔ ان حقائق نبویہؐ کو بطور حق قبول کر کے' ان کی مدد سے انسانی عقول اور حسیات سے حاصل کردہ علوم پر نقد و جرح تو کی جا سکتی ہے' نہ کہ انسانی عقول و مشاہرات' حقائق نبویہؐ کی تعبیر کریں یا انہیں بدل دیں یا انہیں عقلی توجیہ (Rationalism) اور حسی توجیہ کے محدود اور مقید آلات سے ماپنے (Measure) کی جستجو کریں۔ انبیاء کرامؑ کے نفوس قدسی بالعموم اور حضور ختمی مرتبت کی ذات اقدسؐ بالخصوص کسی مخصوص اور محدود فلسفیانہ نظام (System) یا فطرتیت

(Naturalism) جس کی اساسیات بشری عقول کی Authority پر مبنی ہو' قائم کرنے کے لیے مبعوث نہیں ہوئے تھے' بلکہ ایک سادہ اور پر تاثیر اصول حقیقت ہمارے سامنے پیش کرنے کے لیے تشریف فرما ہوئے تھے۔

اقبالؒ کی "تشکیل جدید" کے فلسفیانہ طریق (Method) کا یہی بنیادی المیہ ہے کہ وہ مادیت' سائنس اور فلسفے کے انسانی حاصلات کی مدد سے دین اور ثقافت اسلامی کی ہیئت اور ساخت کو واضح کرنے کی کوشش کرتے ہیں۔ دین کا بنیادی ڈھانچہ' جو پیغمبر علیہ السلام اور بعدازاں صحابہ کبارؓ اور ائمہ کرامؒ نے قائم (Establish) کر دیا ہے' اس پر آپ کس طرح عقلی حدود کا اطلاق کر سکتے ہیں۔ اگر آپ یہ کرتے ہیں تو عیسائیت کی طرز پر دین اسلام بھی ایک موثر ثقافتی قوت کے بجائے ادبی چسکا بن کر رہ جائے گا اور آہستہ آہستہ اپنی مخصوص شناخت کھو بیٹھے گا۔ کیا اس طرح ثقافت اسلامی اپنی اخلاقی حیثیت سے محروم نہ ہو جائے گی' اور امم عالم' پر شہادت کا قرآنی منصب اس سے چھن نہ جائے گا۔

پھر اقبالؒ نے تاریخ اور عمرانیات علم کے حوالے سے ایسے وسیع اور عمومی بیانات لکھے ہیں جن کی تاریخی شہادت اور درجہ ء استناد بڑا مشکوک ہے۔ نمونے کے طور پر درج ذیل دو بیانات دیکھیے۔ یہ مغربیت کی فکری طرز کی نمائندگی کرتے ہیں اور اپنے مندرجات میں معذرت خواہانہ بھی ہیں۔

"پچھلے پانچ سو برس (اقبال یہ کلام 1930ء میں کر رہے ہیں) سے الٰہیات اسلامیہ پر جمود کی ایک کیفیت طاری ہے۔" وہ دن گئے جب یورپ کے افکار دنیائے اسلام سے متاثر ہوا کرتے تھے۔ تاریخ حاضرہ کا سب سے زیادہ توجہ طلب مظہر یہ ہے کہ ذہنی اعتبار سے عالم اسلام نہایت تیزی کے ساتھ مغرب کی طرف بڑھ رہا ہے..... مغربی تہذیب دراصل اسلامی تہذیب ہی کے بعض پہلوؤں کی ایک ترقی یافتہ شکل ہے۔ لیکن اندیشہ یہ ہے کہ اس تہذیب کی ظاہری آب و تاب کہیں اس تحریک میں حارج نہ ہو جائے اور ہم اس کے حقیقی جوہر' ضمیر اور باطن تک پہنچنے سے قاصر رہیں۔ (مغربی تہذیب کا "باطن" کیا ہے؟ عجیب صورت حال ہے۔ اقبال خود فرماتے ہیں۔ "فرنگ جہاں میں عیش دوام کا متلاشی ہے' ایسی تہذیب کا جوہر' ضمیر اور باطن کیا ہو سکتا ہے!)"

".... لیکن (مغرب زدہ) مسلمانوں کی اس تازہ بیداری کے ساتھ اس امر کی آزادانہ تحقیق نہایت ضروری ہے کہ مغربی فلسفہ ہے کیا۔ علیٰ ہذا یہ کہ الٰہیات اسلامیہ کی نظر ثانی بلکہ ممکن ہو تو تشکیل جدید میں ان نتائج سے کہاں تک مدد مل سکتی ہے جو اس سے مترتب ہوئے۔"

ان بیانات کو سمجھنے کے لیے کسی زیادہ وسیع نظری اور تاریخی تخیل کی ضرورت نہیں ہے۔ ان کے مدلولات و مضمرات واضح طور پر یہ حقیقت ہمارے سامنے لاتے ہیں کہ اقبالؒ مغربی فکری نظام (Discourse) کو Sweeping انداز میں قبولیت بخشتے ہیں۔ آپ تشکیل جدید کا سارا Text دیکھ لیجئے۔ اس فکری مرعوبیت کی جھلک آپ کو جابجا نظر آئے گی۔ گویا یوں محسوس ہوتا ہے کہ فکر اسلامی کی تشکیل جدید کے بجائے اقبالؒ اسلامی تصورات کو مغربی تعقل سے ہم آہنگ

کرنے (Intellectual Westernization) کا فریضہ سرانجام دے رہے ہیں۔ اقبالؒ اپنی نظم میں زیادہ آزاد طرز پر مغربیت سے مکالمہ کرتے ہیں مگر "تشکیل جدید" میں ان کا فلسفیانہ طریق' مغربی فلسفے کا مقامی موقف (Local version) بنا نظر آتا ہے۔ یہاں استعماریت اور اس کے سیاسی اقتدار کی فکری ترقی سے تعلق متشخص ہوتا ہے۔ یہ تاریخی الجھاؤ نہ صرف اقبالؒ کے ہاں فکری سطح پر کارفرما نظر آتا ہے' ان کے ہمعصروں میں بھی یہی فکری روش رواں دواں ہے' بلکہ اگر کہا جائے کہ سرسید احمد خاں کے سماجی تضادات جو فرنگ قبولیت پر مبنی سماجی قدر کا نام ہے' کی فکری سطح پر منطقی تخریج ہے۔

تشکیل جدید کی علمیات (Epistemology) گرچہ حقیقت پسندانہ ہے' اور اسی حقیقت پسندی کو بطور کلیے کے اقبال استعمال بھی کرتے ہوئے نظر آتے ہیں' مگر یہ حقیقت پسندی ان کو نظری سطح پر الجھا دیتی ہے۔

وہ علم اور مذہبی مشاہدات کا جو حقیقت پسندانہ معیار مقرر کرتے ہیں' وہ انہیں مجبور کرتا ہے کہ وہ ناقابل فہم اور ناقابل ابلاغ مذہبی مشاہدات کو عقلی و اختیاری سطح پر لاکر پرکھیں' چنانچہ اقبالؒ نفسیات جدیدہ کو سہارا بناتے ہیں اور اسے وہ حق دینے کی کوشش کرتے ہیں جس کی وہ حقدار نہیں ہے۔ دوسری طرف ان کی اپنی ذاتی اور داخلی واردات اور صوفیانہ مشاہدات سے براہ راست مس انہیں مجبور کرتا ہے کہ وہ مغربی نفسیات کے مدلولات و مقولات کو رد کرتے ہوئے نظر آتے ہیں۔ یہ ایک مخمصہ ہے' جس کی پیچیدگیاں اقبال کو Haunt کرتی ہیں۔ ان پیچیدگیوں سے اقبالؒ اپنا دامن بچا سکتے تھے اگر وہ اپنا Method فلسفیانہ رکھنے کے بجائے' آزادانہ طریق Discrurse کا سہارا لیتے اور اسلامی تصورات الٰہ' ذات' حیات اور کائنات کو مباحث کے تار و پود کے طور پر استعمال کرتے۔ درج ذیل بیانات پر غور کیجئے۔ آپ اقبالؒ کے فکری مسئلے کا انداز بخوبی کر سکیں گے:

"لہٰذا میری رائے میں پیروان فرائڈ نے مذہب کی سب سے بڑی خدمت سرانجام دی ہے تو یہی رحمانی سے شیطانی کے اخراج پر زور دینا' گو میں یہ کہے بغیر نہیں رہ سکتا کہ اس جدید نفسیات کی بنا جس نظریے پر ہے' شواہد سے اس کی کماحقہ تائید نہیں ہوتی۔"

(پیروان فرائیڈ نے تو رحمان کو ہی انسانی حیات سے نکال دیا ہے' الہام و وحی یا نفسیاتی امراض کی چھان پھٹک کی صحت مند تعبیر تو بہت بعد کا معاملہ ہے!)

"پھر بہ اعتبار نوعیت صوفیانہ مشاہدات چونکہ براہ راست ہی تجربے میں آتے ہیں' لہٰذا ان مشاہدات کو دوسروں تک جوں کا توں پہنچانا ناممکن ہو جاتا ہے' اور یہی وجہ ہے کہ وہ فکر کی بجائے زیادہ تر احساس کا رنگ اختیار کر لیتے ہیں' لہٰذا صوفی یا پیغمبر جب اپنے مذہبی شعور کی تعبیر الفاظ میں کرتا ہے تو اسے منطقی قضایا ہی کی شکل دے سکتا ہے' یہ نہیں کہ اس کا مشمول من و عن دوسروں تک منتقل کر سکے۔"

اگر صوفی یا پیغمبر مذہبی شعور کا صحیح اور درست ابلاغ ہی نہیں کر سکتا تو کیا یہ تفہیم اوقات پر

مبنی افعال و اعمال ہیں جو وہ سرانجام دیتے اور جس کی طرف وہ دوسروں کو دعوت دیتے ہیں؟ یہاں اقبالؒ ایک مغربی طرز فکر کی ترجمانی کرتے ہوئے نظر آتے ہیں جن کا Method اپنے طرز فکر سے پیدا کردہ منطقی نظام کو تو قبول کر لیتا ہے مگر رب العالمین کے عطا کردہ انعام (وحی، الہام) اور اس کے مبارک حاملین کا انکار کرتا ہے۔ کیا یہ رب العالمین کے Implicit انکار کی کوئی خفیہ صورت تو نہیں ہے؟ یہ بہت اہم سوال ہے اور مغربی فکری ثقافت کی تفہیم اور اس کی قبولیت یا عدم قبولیت کے لیے معیار اور کسوٹی بھی!

عجیب صورت حال ہے فلاسفہ ء مغرب فکری سطح پر عقل و حواس سے ادراک و علم کے امکانات کی بات تو کرتے ہیں مگر وحی اور الہام کو ذریعہ ء علم کے امکان کے طور پر رد کرتے ہیں۔ یہ تضاد ہے، اور انسانی عقل کا تمسخر اڑانے کے مترادف ہے۔

اسی فلسفیانہ طریق (Method) کی ایک اور بوقلمونی، جو اسلامی Cosmology کے حوالے سے بڑی اہمیت کی حامل ہے، اور جو اقبالؒ کے فلسفیانہ جوش کا ایک اور نمونہ ہے، مغربی فکر کا ایک یہ بھی نمایاں نشان ہے کہ وہ حقائق کو جزو (Compartments) میں بند کر کے خوش ہوتا ہے اور بعدازاں ان خانوں پر خوبصورت فیتہ (Tag) لگا کر فکر کے بازار میں لے آتا ہے۔ چنانچہ فکری دورنگی (Dichotomy) کا شاہکار اقبال کا وہ نمونہ (Model) ہے جو وہ مذہبی شعور کی Classification ہمارے سامنے لے کر آتے ہیں۔ اسلامی روایت میں یہ ناقابل قبول تقسیم ہے۔ شعور ولایت اور شعور نبوت میں جو بعد اقبالؒ قائم کرتے ہیں اور جس کی بڑی دلیل اور معیار وہ پیغمبر کی بازگشت اور صوفی کی عدم بازگشت بناتے ہیں، وہ کوئی حتمی چیز نہیں ہے۔ چوتھی صدی ہجری سے لیکر تادم تحریر یہ صوفیا کرامؒ ہی ہیں جنھوں نے شریعت مصطفیٰ صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کو عملی (Practical) صورت میں قائم رکھا، اور اسلامی طرز حیات کو ایک زندہ حقیقت کے طور پر ہمارے سامنے پیش کیا ہے۔ صوفیانہ حیات، پیغمبرانہ حیات کا پرتو ہے نہ کہ اس کی مخالف اور متصادم قوت، جو خود سے کوئی آزاد حقیقت رکھتی ہے اور پیغمبر کی تعلیمات کے مقابل یا متبادل تعلیمات پیش کرتی ہے۔ صوفیاء کرام نے بھی اسی طرح تاریخ و ثقافت کو پیش کیا ہے جس طرح پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم نے کیا ہے، اور یہ سب کچھ انھیں شریعت مطہرہ پر عمل پیرا ہو کر ہی حاصل ہوا ہے۔

تہذیب جدید کے بعض پہلو بھی اقبالؒ کے نزدیک، اسلامی تہذیب و ثقافت کی حقیقی روح کے مظاہر ہیں۔ یہ ایک تاریخی حقیقت ہے کہ مختلف تہذیبیں آپس میں ٹکراتی بھی ہیں اور ایک دوسرے پر اثرات بھی مرتب کرتی ہیں۔ مگر کسی بھی تہذیب و ثقافت کی باطنی ساخت کو مکمل طور پر Replace نہیں کیا جا سکتا۔ بگاڑ، تبادلہ، جبر، تجزیہ، یہ سارے عناصر روبہ عمل ہوتے ہیں اور ہوتے رہیں گے۔ اگر اقبالؒ عقلیت اور اخباریت کو اسلامی ثقافت کے اثرات کے طور پر ہمارے سامنے لانا چاہتے ہیں تو بھی اقبالؒ نے اسلامی ثقافت کی روح کو محدود و مقید کر دیا ہے۔ درحقیقت اسلامی روح، اسلامی جسم کے اندر ہی خوبصورت لگتی ہے اور پھلتی پھولتی بھی ہے۔ اسلامی ثقافت درحقیقت انسانی تمدن کے سامنے ایک Moral pardigm کے طور پر خود کو پیش کرتی ہے۔ اور

یہی مادیت زدہ مغرب کے لیے اور اس کے نقش قدم پر چلنے والوں کے لیے ایک چیلنج ہے۔ امام غزالیؒ کا یہی تو اصل کارنامہ ہے کہ انہوں نے عقلیات اور تشکیک کو وحی کے حوض کے اندر سمیٹ دیا ہے۔ ان کی اس Contribution کو اقبالؒ نے صحیح طور پر خطبات میں نہیں سمجھا' الٹا عقلیات خشک کو ان کے کھاتے میں ڈال دیا ہے۔ اسلامی ثقافت زندہ ہے اور متحرک ہے۔ اس حیات اور تحریک کا منبع (Source) اس تہذیب کا باطن ہے نہ کہ ظاہر' اور یہ وہ مسئلہ ہے جس پر ہمارے اہل دانش آج بھی سر پٹخ رہے ہیں اور سرا ہاتھ نہیں آ رہا ہے۔

مذہبی مشاہدات اور ان کے حاملین کی Psychopathology کی طرف بھی اقبالؒ اپنا طریق استعمال کرتے ہیں۔ ان کے خیال میں موسین (Psychopath) اس لیے ضروری ہیں کہ وہ اپنے نظریات اور عمل کے زور سے دنیا کو بدل دیتے ہیں۔ مثال کے طور پر وہ جارج فاکس اور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی مذہبی زندگی پیش کرتے ہیں۔ ہم سمجھتے ہیں کہ جارج فاکس موسس ہو سکتا ہے اور شاید انگریز اس پر خوش بھی ہو جائیں مگر مسلمان Sensibility کے لیے پیغمبر کو Psychopath سمجھنا صرف اور صرف اسی اضطراری امر کے لیے کہ وہ دنیا کو بدل دیتے ہیں' ناقابل فہم اور ناقابل قبول ہے۔ یہ وحی کی Credibility کو سرے سے ختم کر دیتا ہے۔ سائنس دانوں اور بانیان مذہب کی جستجو کو اگر آپ Equate کر بھی دیں اور کوئی Common ground مہیا بھی کر دیں تو بھی دونوں کی دنیاؤں میں بہت فرق ہے۔ اور پھر جہاں پیغمبروں کے پیغمبر نبی آخرالزمانؐ کی حیات طیبہ کا ذکر آتا ہے' وہاں جدید نفسیات و بشریات کی فکری Porodigm ٹوٹ جاتی ہے۔ جو خود معیار ہوں' ان کو آپ کیسے عقلی و حسی و نفسیاتی معیار پر پرکھ سکتے ہیں! یہ مشق ہی لایعنی اور لاحاصل ہے۔ ہاں اس طرح اقبالؒ عہد غلامی سے مہذب اور دبے دبے' انداز پر چوٹ ضرور لگاتے ہیں کیونکہ ہر وہ تصور اور شخص جو موجودہ حالت یا نظام کو بدلنے کی علامت بن سکتا ہے' استعماریت کے لیے خطرناک ثابت ہو سکتا ہے۔ اقبالؒ Colonial power کی سیاسی Domination سے Disturb تھے۔ چنانچہ دیکھا جائے تو Psychopathology کے اندر ایک احتجاجی رویہ (Discourse) موجود ہے' جو اقبال ان الفاظ میں بیان کرتے ہیں:

"لیکن ذرا سوچیے تو کہ جب کوئی انسان تاریخ عالم کا رخ ہمیشہ کے لیے بدل کر اسے ایک نئی سمت پر ڈال دے تو نفسیات کے لیے اس سے زیادہ اہم مسئلہ اور کیا ہو سکتا ہے کہ ہم ان واردات کی سنجیدگی سے تحقیق کریں جن کی بدولت غلاموں کے اندر وہ صفات پیدا ہوئیں کہ انہوں نے دنیا کی امامت اور رہنمائی کا فریضہ ادا کیا اور جن کے زیر اثر قوموں اور نسلوں کے اخلاق و کردار اس طرح بدلے کہ ان کی زندگی نے ایک بالکل نئی شکل اختیار کر لی۔"

"..... موسین کی بدولت وقت کی بڑی کفایت ہوتی ہے۔ وہ حقائق کی صنف بندی یا ان کے اسباب و علل کی تحقیق نہیں کرتے۔ ان کی نگاہیں زندگی اور حرکت پر ہوتی ہیں کیونکہ وہ چاہتے ہیں انسان کی سیرت اور کردار نئے نئے سانچوں میں ڈھال دیں' اور یوں ان کے لیے نئے نئے نمونے وضع کریں....."

محسوس کیا ہوتا ہے' اور کون سی دنیا کا باشندہ ہے؟ اقبالؒ (Psychopath) کو استعارہ بنا کر پیش کر رہے ہیں۔ کیا یہ پوشیدہ احتجاج ہے جو وہ Colonialism کے خلاف کر رہے ہیں؟ یوں لگتا ہے وہ دو مختلف دنیاؤں کو ملانا چاہتے ہیں۔ مگر یہ بہت بڑا Task تھا اور ہے' اور یہی تشکیل جدید کا Text ہمارے سامنے لیکر آتا ہے۔

*